کتاب پر تبصرہ

کتاب: پاکستان میں جمہوریت اور گورننس

مصنف: ڈاکٹر طاہر کامران

پبلشر: ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ، پاکستان

اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۸ء

صفحات: ۲۲۰

قیمت: ۳۰۰ روپے

تبصرہ نگار: ارشد محمد*

یہ کتاب پڑھنا پاکستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ہر قاری کے لیے ضروری ہے۔ مصنف نے ایک مخلص پاکستانی کی حیثیت سے اُن عوامل کا تجزیہ کیا ہے جو پاکستان کی ترقی میں حائل ہیں۔تاریخ کو صرف حقائق کے تناظر میں دیکھنا اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے سبق سیکھنا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں جو عرق ریزی سے حقائق کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ کسی مجاہد سے کم نہیں، درحقیقت وہ مُلک و قوم کے اصل محافظ ہیں۔ یہ قوم کو بیدار رکھتے ہیں اور صحیح سمت کا تعین کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ دنیا میں عزت اُنھی لوگوں کی ہوتی ہے جو سچ اور جھوٹ کا فرق کر سکیں اور اپنے لیے سچ اور بہتری کی راہ کا انتخاب کر لیں۔

طاہر کامران کی کاوش ہر با شعور شخص کو یہ دعوتِ فکر دیتی ہے کہ وہ اپنے مُلک کے لیے ایک فعال شہری بنے اور ایک مثبت رویہ اپناتے ہوئے وطن عزیز کو گوں ناں گوں مسائل کی دلدل سے باہر نکالنے میں اپنا کردار ادا کرے، تا کہ دنیا کی برادری میں پاکستان کا ہر شہری سر اُٹھا کر چل سکے اور پاکستان کا شمار باوقار اور خودمختار ملکوں میں ہو۔

زیر تبصرہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب پاکستان کی تاریخ کے مختلف ادوار کا احاطہ کرتا ہے۔ کہاں کہاں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور اب ہم کس طرح اپنے رویوں میں مثبت تبدیلی سے

---

* لیکچرار (تاریخ)، گورنمنٹ ڈگری کالج، زیدہ، ضلع صوابی، خیبر پختونخواہ۔

اِن غلطیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں، اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

پہلے باب میں مصنف نے جمہوریت کی مختصر تاریخ بیان کی ہے پھر پاکستان کے ابتدائی دنوں کی سیاست کو زیر بحث لائے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں افراد خود ہی اپنے حکمران ہوتے ہیں یا وہ اپنے نمائندے منتخب کر لیتے ہیں جو اُن پر حکومت کریں۔ جمہوریت کی ابتدائی شکل یونان کے شہر ایتھنز (Athens) میں ملتی ہے لیکن معاہدہ ویسٹ فیلیا(۱۶۴۸ء) میں مکمل طور پر یورپ میں جمہوریت نمودار ہوئی۔ جمہوریت کو ایڈولف ہٹلر اور میسولینی جیسے آمروں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر جمہوریت ایک تناور درخت بن چکی تھی۔ جمہوریت پاکستان کے لیے لازم و ملزوم ہے اور چیلنج بھی ہے۔ کیونکہ یہاں مختلف نسلوں، مذہبوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے ہیں۔ پاکستان میں جمہوریت کو ابتداء ہی سے حکمران طبقے کی خود غرضی، قائد اعظم محمد علی جناح کی بے وقت موت، گورنر جنرل کے اختیارات میں اضافہ اور بیوروکریٹوں پر زیادہ انحصار کی وجہ سے جمہوریت کی افزائش پاکستان میں ناممکن بن گئی۔ مگر بدقسمتی سے یہ کچھ ایسی غلطیاں ہیں جنہیں ہم ختم کرنے کے بجائے بار بار دہراتے رہے ہیں۔ جس میں فوج کا سیاست میں مداخلت، مارشل لاء کے لگانے پر عدالت کا نظریہ ضرورت، مضبوط مرکز اور سیاستدانوں کی منافقانہ سیاست وغیرہ ہی کی وجہ سے پاکستان میں ایک پائیدار جمہوری نظام نا ممکن رہا ہے۔ پاکستان میں سیاستدانوں کو ایبڈو(E.B.D.O) اور ریاستی مشینری کی بے جا مداخلت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ نظریاتی اعتبار سے گورننس کے لیے نظام کا شفاف ہونا، غیر جانبدارانہ فیصلہ سازی، جوابدہی اور قانون کی بالادستی شامل ہے جو کہ ہمارے ملک کی تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ گڈ گورننس پاکستان میں ایک خواب بن چکا ہے۔ پاکستان میں ابتداء ہی سے مرکزیت رہی ہے جو کہ پاکستان کو نوآبادیاتی دور سے ورثہ میں ملی ہے اور یہی مرکزیت مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنی، مرکزیت اور بیوروکریسی کی بالادستی کو استحکام دینے کی وجوہات میں قائد اعظم کی بیماری، سیاسی لیڈروں کی نااہلیت اور مسلم لیگ کی تمام قوتوں کو اکٹھا کرنے کی ناکامی شامل ہے۔ جس کی واضح مثال جب اسمبلی نے (PRODA) کے ایکٹ کو ختم کرنا چاہا تو گورنر جنرل نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو آئین ساز اسمبلی تحلیل کر دی اور ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک وزیر اعظم دفتر کے ''ریوالونگ دروازوں میں سے بہت تیزی سے اقتدار ایک شخص سے دوسرے کے ہاتھ آنے جانے لگے اور پھر دارالخلافہ تیزی کیساتھ کراچی سے

راولپنڈی آرمی ہیڈ کوارٹر میں منتقل ہو گیا۔ اسی دوران سکندر مرزا کے کہنے پر ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کیا۔ جنرل ایوب خان (۱۹۰۶ء-۱۹۷۵ء) ہری پور سے تعلق رکھنے والے ہندکو پٹھان تھے۔ ۱۹۵۸ء تک وہ مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ ایوب خان نے ۱۹۵۶ء کا آئین معطل کر کے قوم کو ۱۹۶۲ء کا آئین دیا۔ جس میں صدارتی نظام حکومت، مضبوط مرکزیت وغیرہ کی دفعات شامل تھیں۔ جو کہ فیڈریشن کے منافی تھیں۔ ۱۹۶۲ء کا آئین، صدر کا آئین، صدر کے لئے آئین اور صدر ہی سے آئین تھا۔ ملک کے بگڑتے ہوئے حالات کا ذمہ دار سیاستدانوں کو ٹھہرایا اور اُن کے لیے ایبڈو(E.B.D.O) جیسا قانون بنایا۔ اخبارات کو کنٹرول کرنے کے لئے ''پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس'' کو نافذ کر دیا گیا۔ ۶۴-۱۹۶۵ء کے انتخابات میں میڈیا کا استعمال کیا اور حزبِ اختلاف فاطمہ جناح کے نقطہ نگاہ کو یکسر نظرانداز کیا گیا۔ مشرقی پاکستان جس کا استحصال شروع سے ہو رہا تھا، اسی دور میں بنگالیوں نے بھی فوج اور بیوروکریسی پر مشتمل حکومت کے خلاف آواز اُٹھائی۔ جس میں شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات بہت مشہور ہیں۔ ایوب خان کے دور میں ملک میں بہت سے ترقیاتی کام پایۂ تکمیل تک پہنچے اور سرمایہ کاری کی فضاء کو بہتر بنانے کے لئے پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ بہر حال ۱۹۶۹ء میں پاکستان میں کئی حزب اختلاف پارٹیوں نے پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ تشکیل دی۔ اور اس موومنٹ نے ایوب خان کے اقتدار کو ختم کیا۔ یحییٰ خان نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو عنان اقتدار سنبھالا۔ یحییٰ خان نے ۱۹۶۲ء کے آئین کو منسوخ کیا۔ یحییٰ کی شخصیت بہت تنقید کا نشانہ بن گئی کیونکہ اس کے دور میں پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء کو لیگل فریم ورک آرڈر نافذ کیا۔ جسکے تحت آئندہ کے انتخابات کے لئے لائحہ عمل فراہم کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں ملک میں پہلی بار انتخابات ہوئے۔ جس نے حالات کو سنوارنے کی بجائے خراب کر دیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت قائم ہو گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو ۵جنوری۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام شاہنواز بھٹو تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو ۱۹۶۶ء تک مختلف عہدوں پر فائز رہے اور اسی دوران انکا جھکاؤ سوشلسٹ ممالک کی طرف تھا۔ نومبر ۱۹۶۷ء میں اُس نے پاکستان پیپلز پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنا دی۔ پارٹی کے منشور میں اسلام ہمارا دین، جمہوریت ہماری سیاست، سوشلزم ہماری معیشت اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ بھٹو نے اپنے دور حکومت میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کا لاہور میں انعقاد، شملہ معاہدہ، پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانا اور ملک کو ۱۹۷۳ء کا آئین دیا۔ فوج کو سویلین معاملات سے دور رکھا۔ لیکن ساتھ ہی اُس نے فوج کو مراعات

بھی دیں۔ سرکاری زمین کسانوں میں تقسیم کی اور زمینداروں کو قرضے دینا بھی شروع کئے۔ بھٹو میں حزب اختلاف کے لئے برداشت کی کمی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے حزب اختلاف کو تحلیل کر دیا۔ بھٹو کے خلاف احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کا الزام اور پاکستان نیشنل الائنس جیسے امور نے آخر کار ایک مرتبہ پھر فوج کو مدعو کیا، آپریشن فیر پلے، کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو کو حراست میں لیا گیا اور آخر کار۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ بدقسمتی سے ایک مرتبہ پھر فوج کے اقتدار کا دور ملک میں شروع ہوا۔ بھٹو نے ضیاء الحق کو ۱۹۷۶ء میں چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا تھا اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو فوج نے مارشل لاء نافذ کیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کو معطل کیا اور آئندہ ہونے والے انتخابات کو ملتوی کر دیا، کیونکہ اُس نے ''مواخذہ پہلے انتخابات بعد میں'' جیسے نعرے لگائے اور سیاستدانوں کا احتساب شروع کیا۔فوج طاقت کا سرچشمہ بن گئی۔ کیونکہ تمام اہم سویلین ملازمتوں پر فوج کو فائز کیا۔ ضیاء الحق کے خلاف تحریک بحالی جمہوریت (ایم-آر-ڈی) شروع ہوئی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی۔ جس کی ناکامی کی وجوہات میں ''الذوالفقار'' نامی تنظیم نے پی آئی اے کا طیارہ اغواء کیا اور اس کا سارا الزام پیپلز پارٹی پر لگا دیا۔ جنرل ضیاء نے سویت یونین کے خلاف لڑنے کا اعلان کیا۔ جس سے اُس کی بین الاقوامی سطح پر کافی مقبولیت ہوئی۔ امریکہ سے پاکستان کو امداد آنا شروع ہوئی۔ سویت یونین کے ٹکڑے ہو جانے کے بعد امریکہ ایک نئی سپر پاور کے طور پر اُبھرا۔ جس میں پاکستان کا کردار نہایت اہم ہے۔ جنرل ضیاء نے ۱۹۸۴ء میں ریفرنڈم کروایا اور وہ صدرِ پاکستان بن گیا۔ ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات ہوئے اور محمد خان جونیجو نے پاکستان کے گیارہویں وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ مگر اُس وقت چاروں صوبوں کے گورنر آرمی کے جنرل تھے۔ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے سے پہلے جنرل ضیاء نے ان تمام اقدامات کی توسیع کروالی جو اُس نے پچھلے آٹھ سالوں میں کئے تھے۔ جس میں ۱۹۷۷ء کا فوجی انقلاب اور آٹھویں ترمیم شامل تھیں۔ مگر ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان نے جونیجو حکومت کو برطرف کر دیا۔ جس کی وجوہات میں جنیوا معاہدہ اور اُوجری کیمپ کا سانحہ تھا۔ضیاء الحق نے اسلام کو لاگو کیا لیکن سب کچھ بلیک اینڈ وائیٹ تک محدود تھا۔ اور اس نے بھی اسلام کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ جس کے نتیجے میں انجمن سپاہ صحابہ اورتحریک نفاذ فقہ جعفریہ جیسی فرقہ وارانہ تنظیمیں وجود میں آئیں اور انہوں نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا دیئے۔ اس کے علاوہ افغان جہاد سے ملنے والے اسلحہ نے پاکستانی فضا کو بارود آلود کیا۔ ضیاء الحق کے جان بحق ہونے کے بعد غلام اسحٰق خان نے صدر کی حیثیت سے

حکومت سنبھالی۔ ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے نتیجے میں بینظیر بھٹو وزیر اعظم منتخب ہوئی۔ ۱۹۸۸ء کے بعد صدر اور آرمی کے علاوہ امریکہ نے بھی پاکستانی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی ہے۔ مسلم ممالک کی پہلی خاتون وزیر اعظم ۲۱ جون ۱۹۵۳ء کو پیدا ہوئی۔ پیپلز پارٹی کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد معرض وجود میں آیا۔ مگر ۱۹۸۸ء میں پیپلز پارٹی ایوان اقتدار میں آئی۔ گو کہ گٹھ جوڑ بالکل ہی بینظیر کے وزیر اعظم بننے کے حق میں نہ تھے مگر واشنگٹن کے دباؤ سے اُس کو مجبور ہونا پڑا۔ مگر بدقسمتی سے بینظیر کو ایک محدود دائرے کے اندر ہی رہنا تھا۔ مگر ملک کے سب سے طاقت ور ادارے کے ساتھ بینظیر کے تعلقات خراب ہو گئے۔ جس کی وجوہات میں جنرل اسلم بیگ کی ہدایت کے برعکس جنرل حمید گل کو اپنے عہدے سے ہٹانا، جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کی تعیناتی پر اختلافات، ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء میں پکا قلعہ کا واقعہ اور آرمی سلیکشن بورڈ کے معاملات پر اعتراضات شامل ہیں۔ اسی دوران پنجاب مرکز کشمکش، زرداری کا وزیر اعظم کا دفتر اپنے فائدے کیلئے استعمال کرنا وغیرہ۔ آخر کار صدر غلام اسحٰق خان کو ۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کو قومی اسمبلی تحلیل کرنی پڑی۔ ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں نواز شریف نے ملک کے تیرہویں وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔نواز شریف کو بہت سے چیلنجز کا سامنا تھا۔ جس میں کرپشن کا خاتمہ، سندھ میں تشویشناک حالات اور امریکی امداد کی بندش جیسے مشکلات کا سامنا تھا۔ بینظیر نے نواز حکومت کو غیر مستحکم کرنے کیلئے لانگ مارچ اور ٹرین مارچ جیسے اقدامات اٹھائے۔ سندھ میں آپریشن کلین اَپ نے حالات کو اور بھی بدتر کیا اور آٹھویں ترمیم کے خاتمے کے ارادے نے رہی سہی کسر پورا کر دی۔ اور یُوں غلام اسحٰق خان نے ایک مرتبہ پھر اسمبلیاں برطرف کر دیں۔ ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں ایک مرتبہ پھر بینظیر کی حکومت قائم ہوئی اِس مرتبہ بینظیر نے پھر نواز گروپ کے خلاف سیاست شروع کی اور نواز شریف اور اس کے اہل خانہ کے خلاف تقریباً ۱۴۰ کرپشن کے کیس بنائے۔ اِس مرتبہ بینظیر نے فوج کیساتھ مصالحاتی رویہ اختیار کیا۔ دفاعی بجٹ میں اضافہ کیا۔ پیپلز پارٹی کے تیسرے سال کے شروع میں عدلیہ سے جھگڑے، فوج کی اعلی قیادت کے بد دلی، مخالف کیمپین اور بینظیر کے بھائی کا قتل کا الزام صدر پر لگ جانا اور کراچی کی زبوں حالی ہی بینظیر کی ناکامی کا سبب بنا۔ صدر فاروق لغاری نے اپنی ہی پارٹی کی حکومت کو برطرف کیا اور ملک معراج خالد کی سربراہی میں عبوری حکومت قائم ہو گئی جس نے حالات کو بہتری کی طرف لے جانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ملک میں ایک بار پھر ۱۹۹۷ء میں الیکشن ہوئے جسکے نتیجے میں نواز شریف کامیاب ہوئے۔ بینظیر کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے پیپلز پارٹی کو شکست ہوئی۔ اسی الیکشن میں مذہبی

جماعتوں نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا اس الیکشن میں ہر صوبے میں لسانی و قومی جماعتوں نے اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلایا۔ نواز شریف کو قرضوں کا بوجھ اور صدر کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنا جیسے مسائل کا سامنا تھا۔ قرضوں کے لئے ''قرض اتارو ملک سنوارو'' جیسے اقدامات کئے گئے۔اس کے علاوہ تیرہویں ترمیم کا خاتمہ، صدر اور وزیر اعظم کا گورنرسندھ کی تعیناتی پر اختلافات کی وجہ سے صدر لغاری کو ۲ دسمبر ۱۹۹۷ء کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد رفیق تارڑ نے صدر کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ نواز شریف نے عدلیہ اور فوج کیساتھ بھی نبردآزمائی کیں۔ لیکن فوج کیساتھ لڑائی میں نواز شریف کو ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو گھر جانا پڑا۔ اور بدقسمتی سے ملک ایک مرتبہ پھر آمر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ پرویزمشرف دہلی سے تعلق رکھتا تھا اور تقسیم ہند کے بعد اُس کے خاندان نے پاکستان ہجرت کی تھی۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو مشرف نے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا اور جون ۲۰۰۱ء کو رفیق تارڑ کو بھی مستعفی ہونا پڑا۔ ملک میں بدانتظامی کا الزام نواز شریف پر لگا دیا اور اسمبلیوں کو تحلیل کر دیا۔ مشرف نے معیشت کی بہتری کے لئے فوجی مقاصد اور گڈ گورننس کو اپنی ترجیحات میں سرِفہرست رکھا۔ ۶ اپریل ۲۰۰۰ء کو عدالت نے نواز شریف کی جلا وطنی کا فیصلہ سُنایا۔ ایم کیو ایم اور گرینڈ ڈیموکیٹک الائنس نے فوج کے اس اقدام کو سراہا۔ مسلم لیگ ہڑبڑاہٹ کا شکار نظر آئی اور اس کے رہنما مستقبل کی راہ ہموار کرنے میں ناکام ثابت ہوئے۔ مشرف نے اپنا سات نکاتی ایجنڈا پیش کیا۔ جس میں فیڈریشن کو مضبوط بنانا، معیشت کی بحالی، فوری انصاف اور احتساب شامل تھے۔

بیرونی دنیا سے مشرف پر کافی دباؤ تھا کہ وہ جمہوریت کو بحال کریں۔ ۲۳ مارچ ۲۰۰۰ء کو امریکی صدر بل کلنٹن پاکستان کے دورے سے دو دن قبل مشرف نے لوکل باڈیز کے الیکشن کرانے کا اعلان کیا۔ اپنے پیش رو ایوب خان کی طرح اُس نے بھی اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لئے لوکل باڈیز کا الیکشن کروایا۔ آئین میں معطل شدہ اسلامی دفعات کو بحال کیا۔ بدقسمتی سے فوج نے پاکستان میں براہ راست یا بالواسطہ طور پر اقتدار سے وابستہ رہے۔ اسی لیے سب کہتے ہیں کہ ملکی حمیت، یگانگت کے لئے ضروری ہے کہ فوج واپس بیرکوں میں چلی جائے اور اقتدارعوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دے۔ اپنے اقتدار کو جائز قرار دینے کیلئے ملک میں ریفرنڈم کرایا اور اپنے مخالفوں کو صدر بُش کی طرح ''یا تو تم ہمارے ساتھ ہو یا دہشتگردوں کیساتھ'' والی بات کہی۔۲۸ نومبر ۲۰۰۷ء کو پرویز مشرف نے چیف آف آرمی سٹاف کے عہدہ سے ریٹائر ہونے کا اعلان کیا اور اگلے دن پاکستان کے سول صدر کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ ۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو نیشنل ری کنسیلی ایشن آرڈیننس (این آر او)

National Reconciliation Ordinance (NRO) جاری کیا گیا جس کے تحت ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۹ء کے درمیان ان تمام مقدمات کو ختم کیا گیا جو پچھلے ۱۵ سالوں سے التواء کا شکار تھے۔ اس آرڈیننس کی وجہ سے ملک میں عدم برداشت کی سیاست کا خاتمہ ہو گیا اور بہت سے اہم لیڈر پاکستان کو واپس آ گئے۔ ۹ مارچ ۲۰۰۷ء کو مشرف نے عدلیہ سے لڑائی مول لی اور چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اپنے عہدے سے جبراً ہٹایا۔ اِس واقعہ پر ساری قوم نے چیف جسٹس کا ساتھ دیا اور ۲۰ جولائی کو سپریم کورٹ نے چیف جسٹس آف پاکستان کو بحال کر دیا اس کے بعد لال مسجد کا مسئلہ پیش آیا۔ اس واقعے کے بعد پاکستان میں خود کش حملوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشرف نے ۹/۱۱ کے بعد امریکہ کا ساتھ دیا۔ جسکا پاکستان کو کافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ مشرف کے دور میں کارگل کا واقعہ بھی رونما ہوا جس سے پاکستان کو کافی نقصان ہوا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر الزامات کی بناء پر گھر میں نظر بند رکھا۔ بھارت کیساتھ مذاکرات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ بدقسمتی سے پاکستانی عوام نے ایک مطلق العنان حکمران کا دور مشرف کی شکل میں دیکھا۔''

اِس ساری روداد کا مقصد پاکستان کی سیاست کا احاطہ کرنا اور قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ ہم ایک ہی غلطی بار بار کیوں دہراتے ہیں۔ فوج اور سیاسی طالع آزماؤں کی اقتدار کے لیے داؤ پیچ قوم کے حقیقی مسائل کا حل نہیں ہے۔ راستہ صرف ایک ہے کہ انتخابی نظام کو شفاف اور غیر جانبدار بنایا جائے۔ فوج کو سیاسی عمل سے دور رکھا جائے اور جمہوریت میں اعلیٰ اوصاف کے افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ قوم کے ساتھ دھوکا کرنے والے حکمرانوں کا کڑا محاسبہ کرنے سے ہی ملک حقیقی معنوں میں ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت کی نئی اشاعت

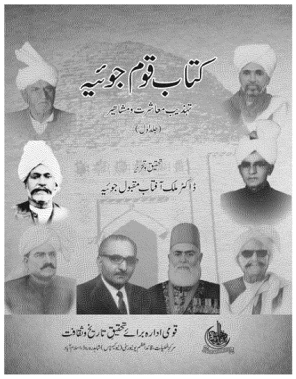

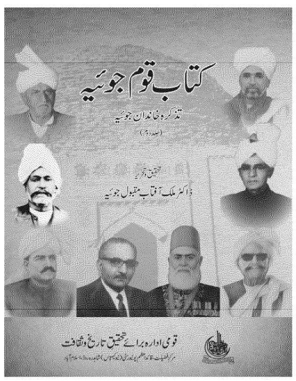

ڈاکٹر ملک آفتاب مقبول جوئیہ کی کتاب کئی اعتبار سے ایک منفرد تصنیف ہے۔ اس کی ایک انفرادیت تو یہ ہے کہ اس میں پاکستان میں بسنے والی قوموں اور برادریوں کے قبائل اور ذاتوں کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے ایک نمونہ فراہم کیا گیا ہے۔ اس کی دوسری انفرادیت یہ ہے کہ اس نے عام پاکستانیوں کے ایک روایتی تاریخی ذوق کو جدید تحقیقی انداز بیان کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ہی موضوع سے متعلق دو پہلوؤں کو جدا جدا جلد کی شکل دے کر ایک ایسی تصنیف تخلیق کی ہے جن کے جڑواں حصے اپنی اپنی ذات میں منفرد، مکمل اور اجتماعی حیثیت میں یک جان ہیں۔ میں نے جب قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت میں ڈائریکٹر کے فرائض سنبھالے تو میری خواہش تھی کہ کسی ایسے موضوع پر کتاب مرتب کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ڈاکٹر جوئیہ کے جی میں ڈال دیا کہ وہ اپنی تصنیف کو ادارہ ھٰذا کے حوالے کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر کئی اور لوگوں کے جی میں آئے گا کہ وہ بھی ایسی ہی کتاب، شاید قدرے مختلف انداز میں، تصنیف کر کے اپنی قوم، برادری، قبیلہ، ذات، علاقے، شہر اور خاندان کی تاریخ مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوں، درحقیقت یہی اس کتاب کا طرّہ امتیاز ہے۔

بلا شبہ یہ کتاب قوم جوئیہ کے افراد کیلئے ایک قیمتی ذخیرہ ہے اور ڈاکٹر جوئیہ تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک عمر کی محنت سے اپنے ملک اور اس میں بسنے والی جوئیہ قوم کے افراد کی تاریخ اور تہذیب کے مختلف عناصر کو مجتمع کیا۔ یہ میری خواہش ہوگی کہ ڈاکٹر جوئیہ خود بھی ملک کے مختلف علاقوں میں بسنے والے جوئیہ خاندانوں اور گوتوں کے رسم و رواج، تہواروں اور روزمرہ معمولات کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنے کی خاطر اپنی اس محنت کا ایک ضمیمہ یا تیسری جلد مرتب کر کے ہماری ثقافتی تاریخ اور رنگارنگ تہذیبی ورثہ کو اکٹھا کرنے کیلئے دوسری برادریوں کے محققین کو ایک خاکہ یا نمونہ پیش کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر خرّم قادر

بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے رابطہ کریں

ناشر: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت،
مرکز فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی (نیو کیمپس) شاہدرہ روڈ، اسلام آباد
فون نمبرز: 051-2896151, 2896153-4/141
ای میل: nihcr@hotmail.com ویب سائٹ: www.nihcr.edu.pk